بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

HINDUISM, ISLAM AND CHRISTIANITY COMPARED

By

The Late Rev. Dr. A. H. Young

M.A., Ph. D

ہندودھرم ، اسلام و مسیحیت کا مقابلہ

من تصنیف

از پادری ڈاکٹر اے۔ ایچ یوئنگ صاحب ایم اے۔پی ایچ۔ڈی

1930

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
پہلا باب۔ خدا کیا ہے اور اس کا اس دنیا سے کیا تعلق ہے	۳
(۱)خدا کے بارہ میں ہنود کا عقیدہ	۴
(۲)خدا کے بارہ میں مسلمانوں کا عقیدہ	٦
(۳)خدا کے بارہ میں مسیحیوں کا عقیدہ	۸
دوسرا باب تجسم خدا	
(۱) تجسم خدا کے بارہ میں ہنود کا تعلیم	۱۱
(۲) تجسم خدا کے بارہ میں مسلمانوں کی تعلیم	۱۲
(۳) تجسم خدا کے بارہ میں مسیحیوں کی تعلیم	۱۲
تیسرا باب گناہ	
(۱)ہندو مذہب اور گناہ	۱٦
(۲) اسلام اور گناہ	۱۹
(۳) مسیحی مذہب اور گناہ	۲۱

چوتھا باب طریق نجات	
(۱) ہندو مذہب اور نجات	۲۱
(۲) اسلام اور نجات	۲۳
(۳) مسیحی مذہب اور نجات	۲۵
پانچواں باب الہام	۲۸
(۱) ہندو مذہب اور الہام	۲۸
(۲) اسلام اور الہام	۲۹
(۳) مسیحیت اور الہام	۳۰

ہندو دھرم، اسلام و مسیحیت کا مقابلہ

پہلا باب

خدا کیا ہے اور وہ اس دنیا سے کیا تعلق رکھتا ہے؟

یہ مضمون مذہب کا ایک بنیادی یا اصولی مسئلہ ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ جیسا کسی مذہب کے لوگوں میں خدا کی ہستی کا خیال ہوتا ہے ویسی ہی اس میں قدرت وپائیداری پائی جاتی ہے ۔ خدا کی ذات وصفات کی بابت جو کچھ کسی مذہب کی تعلیم ہوتی ہے اسی سے وہ پہچانا جاتا ہے۔

یہ تو ممکن ہے کہ ایسے اشخاص ہوں جن کا چال چلن درست ہو مگر ان کا عقیدہ از روئے عقل جھوٹی تعلیم پر قائم ہو اور برعکس اس کے یہ بھی ممکن ہے کہ عقلی طور سے کسی کا عقیدہ درست ہو مگر اس کا چال چلن خراب ہو لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ خدا کی ذات کی نسبت ہر ایک تعلیم خواہ جھوٹی ہو خواہ سچی وقت پر اپنا واجبی ولازمی اثر دکھاتی ہے ۔

اس میں کلام نہیں کہ دیگر دینی مسئلے بھی اس مضمون سے نہایت ہی ضروری تعلق ونسبت رکھتے ہیں ۔ یہ گویا سر ہے اور وہ اعضا ہیں کیونکہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں مذہب میں خدا کی بابت کیا تعلیم ہے تب تک یہ سمجھنا کہ اس مذہب کی تعلیمات اوتار اور گناہ اور طریق نجات کے بارے میں کیا کیا ہیں ناممکن ہے ۔مگر جب کسی مذہب کی تعلیم خدا کی ذات کی نسبت تعلیم ہو گئی تو بطور نتیجہ ہم یہ بتاسکینگے کہ گناہ اور نجات کے طریقے کی نسبت اس کی کیا تعلیمات ہونگی۔ پس پہلے اس امر کو دریافت کرنا نہایت لابدی اوضروری ہے۔

انسان کی پیدائش سے لے کر آج جتنے خیالات اس مضمون اور دیگر دینا مسائل کے متعلق اس دنیا میں پائے جاتے ہیں وہ قریباً سب کے سب ہندو دھرم، اسلام اور مسیحی مذہب میں موجود ہیں۔ پس مقابلہ کے لئے یہ تین مذاہب ہی کافی ہیں۔

۱۔ خدا کے بارہ میں ہنود کا عقیدہ

ہندوؤں کی کتابوں میں مختلف خیالات اور طرح طرح کی تعلیمات پائی جاتی ہیں۔ جو جو بدعتیں کسی مضمون کے متعلق دنیا میں برپا ہیں ان کی طرف اشارہ ان کتابوں میں ملتا ہے اوراسی طرح جو سچی تعلیمات ہیں ان کا بھی کچھ نہ کچھ پتہ ان میں موجود ہوگا۔ پھر بھی اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جو تعلیم خدا کی بابت زمانوں سے ان کے درمیان جاری وزبردست رہی اوراب تک مروج ہے وہ " ہمہ اوست " کی تعلیم ہے۔ اس کے مطابق ایک ہی اصل وجود متصور ہے۔ جس میں ساری دنیا سمارہی ہے۔ بلکہ وہ خود سب کچھ ہے۔ یہ اصلی وجود شخصیت نہیں رکھتا بلکہ ناپنسک لنک (یعنی نہ مذکر نہ مونث) خیال کیا جاتا ہے کیونکہ ہمہ اوست کے معتقد شخصیت کو ایک نقص تصور کرتے ہیں چنانچہ اصلی وجود نقص سے مبرا سمجھا جاتا ہے چونکہ وہ خود دنیا ہے اور دنیا وہ ہے اس لئے اس میں اور دنیا میں کوئی امتیاز نہیں۔ پس اس اصلی وجود کی نسبت یہ سوال کرنا کہ " وہ دنیا سے کیا تعلق رکھتا ہے "؟ فضول ہے کیونکہ جب دو چیزیں دراصل ایک ہی چیز ہیں توان میں تعلق کا کیا ذکر؟

پوشیدہ نہ رہے کہ باوجود ہمہ اوست کی تعلیم کے زور کے زمانہ بہ زمانہ ایسے لوگ ہوتے آئے ہیں جواس حقیقت کو مانتے تھے کہ اصل وجود شخصیت رکھتا ہے۔ اس بات کی صداقت پر اس کے چند مشہور نام مثلاً پرجاپتی، شوکرما، پرمیشور وغیرہ دلالت کرتے ہیں۔ اس کے صرف دو نام برہما اور پرماتما ایسے ہیں جن سے شخصیت کا پورا انکار ثابت ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہمہ اوست کے معتقد اکثر اس اصلی وجود کو برما اور مختصراً برہم کہتے ہیں۔

اہل ہنود ایک اصلی وجود کے قائل تو ہیں لیکن بے شمار دیوی دیوتاؤں کو مانتے ہیں۔ یہ امر غور طلب ہے کہ تمام قوموں میں جہاں کہیں ہمہ اوست کی تعلیم مانی گئی یا اب مانی جاتی ہے وہاں دیوتاؤں کی کوئی انتہا نہیں جہاں اصلی وجود متصور ہے جو سب کچھ ہے اور شخصیت سے جدا ہے وہاں بیشمار دیوی دیوتاؤں کا ذکر ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دیوی دیوتا کیا ہیں؟

دیوی دیوتا اصل وجود اور انسانی وجود کے درمیان والے وجود تصور کئے جاتے ہیں اور ان میں بمقابلہ انسان وجود کی زیادہ قدرت مانی جاتی ہے لیکن ان کی جنس انسان کی جنس سے بالکل غیر نہیں خیال کی جاتی۔ وہ بآسانی انسان بن سکتے ہیں اور انسان کے شمار میں شامل کئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ ہر زمانہ میں برہمن دیو کہلاتے آئے ہیں اور یوگی تپسیا کرکے دیوی دیوتا کی سی قدرت حاصل کرسکتا ہے۔ پرانے زمانے میں یونانیوں میں بھی دیوی دیوتا اسی طور پر پائے جاتے تھے۔

دوسرا سوال پیش آتا ہے کہ دیوتا کب سے ہیں؟ رگ وید ۱۰ : ۱۲۴ ؛ ۶ میں وہ مخلوق بتائے جاتے ہیں کیونکہ وہ پیدا کئے گئے " اروگ دیوا" اسیا ویسا یا نیا" پس ظاہر ہے کہ وہ ازل سے نہیں ہیں۔

تیسرا سوال یہ لازم آتا ہے کہ دیوی دیوتا کیوں مانے جاتے ہیں؟ سبب یہ ہے کہ انسان اس طرح کا بنا ہے اور یہ اس کا خاصہ ایسا ہے کہ وہ خواہ مخواہ کسی نہ کسی خدا کی بندگی کریگا اورچونکہ انسان شخصیت رکھتا ہے اکثر اس کا دل ایسے خدا کی بندگی کی طرف راغب ہوتا ہے جو خود ایک شخص متصور ہوسکے۔

ہندو فلسفہ دانوں نے اس تعلیم کو رواج دیا کہ شخصیت ایک نقص ہے اوراصلی وجوداس سے مبرا ہے جیسا کہ گیان کانڈ میں مرقوم ہے جہاں اصلی وجود برہما اور آتما سے نامزد ہے۔ مگر عوام اس تعلیم کے سمجھنے میں قاصر ہے۔ پس ان کے لئے کرم کانڈ کی تعلیم قائم رہی

جس میں دیوی دیوتاؤں کی پوجا مقرر ہے۔ فی الحقیقت ہندوؤں میں دو مذہب ہیں ایک صرف اصلی وجود مانا جاتا ہے اور دوسرے میں درمیانی وجودوں کی پوجا مورتیوں کے ذریعہ کی جاتی ہے۔

ان دونوں میں کرم کا نڈ اول تھا کیونکہ رگ وید اس کی شہادت دیتا ہے۔ گیان کانڈ کی تعلیم اوپنشدوں میں پائی جاتی ہے جو بعد میں تصنیف ہوئے ۔ ہر دو تعلیمیں ساتھ ساتھ مانی گئیں اور پھر رفتہ رفتہ دوسری پہلی پر حاوی ہو گئی اور جتنے دیوتا رگ وید میں مذکور تھے اور وہ بھی جو بعد کو مانے گئے سب کے سب گیان کانڈ کے اصلی وجود کے مختلف اظہار تصور ہونے لگے۔

۲۔ خدا کے بارہ میں مسلمانوں کا عقیدہ

اس مذہب میں گھڑی کا شو قول دوسری حد تک پہنچ گیا ہے۔ ہندو مذہب کی تعلیم کے موافق خدا نہ صرف سب میں ہے بلکہ آپ ہی سب کچھ ہے۔ برعکس اس کے اسلام میں خدا دنیا سے بالکل جدا تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے اور مخلوق کے درمیان ایک نہایت عمیق غار واقع ہے۔ جس طرح کوئی سلطان قلعے کے اندر اپنے محل میں الگ رہتا ہے اور اس کے پاس پہنچنا دشوار ہے اسی طرح خدا بھی الگ تنہائی میں رہتا ہے وہ پروانوں کے ذریعہ سے اپنی مرضی کا اظہار کرتا ہے اور یہ انسان کے لئے کافی ہے ۔ اس کے سامنے سب انسان برابر ہے یعنی ایک ہی مالک کے نوکر یا ایک ہی کاریگر کے اوزار ۔ کل کے دنیا کے لئے صرف ایک قانون ہے "کما یشاء" یعنی جیسے اس کی مرضی ۔ اس قانون میں نیکی وبدی عزت وذلت اور نجات وہلاکت سب کچھ ہضم ہے۔

خدا اور انسان میں کوئی درمیانی نہیں۔ اس میں اور انسان میں ایسا گھرا اور چوڑا گڑھا ہے کہ اس کی نزدیکی حاصل کرنا اس زندگی یا آنے والی زندگی میں اس کی مانند بننے کا خیال کفر میں شامل ہے تاہم وہ انسان کی کمزوریوں کا لحاظ کریگا۔ بشرطیکہ انسان مقررہ طریقوں پر اس کی قدرت کا اقراری ہو۔ جس طرح کوئی سلطان فوج میں آکر جس کی جی چاہے رعایت کرسکتا ہے

اسی طرح خدا جن پر مہربان ہوجائے ان کی رعایت کرتا ہے ان کی کتاب میں بار بار یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں " خدا رحیم ہے"۔ جس کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ خدا رعایت کرنے والا ہے ۔ چنانچہ سورہ نساء میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ۔ جہاں اہل اسلام کی خاطر اخلاقی قوانین کچھ ہلکے کردئے گئے ہیں۔

اس تعلیم میں اگرچہ یہ حقیقت تو ہے کہ خدا اور دنیا جدا جدا دو ہیں تو بھی جدائی پر اس قدر زور دیا ہے کہ حقیقت میں خدا کھو گیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کی تعریف میں ننانوے نام استعمال کئے گئے ہیں لیکن ان ناموں میں کوئی جان نہیں کیونکہ خدا اس قدر دور کردیا گیا ہے کہ وہ محض ایک خیال ہی خیال رہ گیا ہے۔ جس طرح سوت میں موتی پروئے گئے ہیں تو بھی موتی اور سوت ایک دوسرے سے جدا ہیں ویسے ہی خدا کے یہ نام ہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس میں اور ان ناموں میں کوئی حقیقی تعلق ہے۔ جیسے اہل ہیئت ذروں کا بہت کچھ ذکر کرتے ہیں گو کسی نے ذرے کو کبھی نہیں دیکھا۔ اسی طرح خدا کے لئے یہ نام استعمال کئے جاتے ہیں۔ ان ناموں سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے خیال میں ایک ایسے وجود کو تصور کرسکتا ہے جو قدرت وجلال او عزت وحشمت میں نہایت ہی بڑا لیکن جب خدا اور انسان کے درمیان گہرا گڑھا متصور ہے تو ایسے خیال سے کیا فائدہ کیونکہ اگر کوئی انسان یہ کہے کہ میں اس گڑھے کے پار پہنچ کر اس خدا تک جس میں کل خوبیاں جو ننانوے مشہور ناموں سے متصور ہیں پائی جاتی ہیں پہنچتا ہوں تو وہ کافر قرار دیا جائیگا۔

۳۔ خدا کے بارہ میں مسیحیوں کا عقیدہ

اس مذہب میں گھڑی کا لٹو بیچ میں آگیا۔ مسیحی تعلیم پرانے اور نئے عہد نامے پر مبنی ہے۔ بائبل میں چند مقام ہیں جہاں اس بات کا بیان پایا جاتا ہے کہ خدا سب میں ہے اور اس نے سب کو معمور کیا ہے اور چند ایسے مقام بھی موجود ہیں جہاں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خدا دنیا سے جدا ہے۔ علی العموم پرانا عہد نامہ خدا کو ایک بادشاہ قرار دیتا ہے جو سب سے بالا

ہے۔ اگرچہ اس میں خصوصاً زبور اور انبیائے کے صحیفوں میں ایسی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انسان خدا کی نزدیکی پاسکتا ہے تاہم اس کی جدائی پر بھی بہت زور دیا جاتاہے اور سب جانتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات پرانے عہد نامے سے اخذ کی گئی ہیں۔

نئے عہد نامہ میں اگرچہ خدا کی جدائی قائم رکھی گئی ہے تو بھی اس کے انسان کے نزدیک آنے پر بہت زور دیا گیاہے۔سیدنا مسیح جس کا ذکر نانئے عہد نامے کا خاص مقصد ہے خدا کی ذات کا اظہار قرار دیا جاتا ہے ۔ اس کا ایک لقب عمانوئیل "(خداہمارے ساتھ) " ہے خدا دور نہیں ہے ۔ بلکہ وہ نزدیک ہے ۔ وہ دنیا سے ہمیشہ جدا تصور کیا جاتا ہے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ انسان کے پاس ہے۔ وہ گویا انسان کو چھوتا ہے اور انسان اسے چھو سکتا ہے ۔ وہ بادشاہ توہے مگر باپ بھی ہے۔ اس کی مرضی انسان کے لئے قانون توہے لیکن وہ اپنی روح سے انسان کی مرضی پر اثر کرتا ہے۔" ڈرتے اور کانپتے ہوئے اپنی نجات کے کام کئے جاؤ۔ وہ جو نیت اور عمل دونو کو اپنے نیک ارادوں کے مطابق پیدا کرتا ہے ۔ وہ خدا ہے (فلپیوں ۲: ۱۲ تا۱۳)۔

اس کے اور انسان کے درمیان کوئی اور وجود نہیں ہے جن کے ذریعے سے وہ اس کے پاس پہنچ سکے بلکہ وہ خود انسان کے پاس آکر انسان بنتا ہے اور یوں اپنے تیئں کامل طور سے اس پر ظاہر کرتا ہے۔ حقیقت میں یہ ایک بڑے تعجب کی بات ہے کہ مسیحی مذہب کیونکر ہندودھرم واسلام کی تعلیمات جواچھی اور حق ہیں منظور کرتا ہے اور دونوں کے غلط خیال کورد کرکے درمیانی راہ اختیار کرتاہے۔

خدا کی نسبت تین قسم کی تعلیم ممکن ہے:۔

۱ ۔ ہمہ اوست کی تعلیم جوہندومذہب میں پائی جاتی ہے۔

۲ ۔ وہ تعلیم جس کے مطابق خدا دنیا سے بالکل جدا قرار دیا جاتا ہے یہودی مسلمان اس کے معتقد ہیں۔

۳۔ تیسری قسم کی تعلیم وہ ہے جس میں یہ بڑے فخرسے مانا جاتا ہے کہ خدا سب میں ہے مگر اس امر سے قطعی انکار ہے کہ خدا اور دنیا ایک ہی ہستی ہے۔ مسیحی اس امر کے بھی قائل ہیں کہ اگرچہ خدا دنیا سے الگ ہے تاہم وہ انسان کے نزدیک ہے یہ مسیحی مذہب کی تعلیم ہے۔

خدا نے پولوس رسول کو چن لیا کہ وہ دونو قسم کی سچائی لے کر ٹھیک طور پر ایک کامل تعلیم وعقیدہ پیش کرے ۔ وہ یہودی تھا اور یہودی تعلیم سے بخوبی واقف تھا۔وہ یونانی تعلیم سے بھی جو ہندو تعلیم کے موافق تھی پوری واقفیت رکھتا تھا ۔ پس اس کے وسیلے سے ہر دوجانب کی آدھی آدھی سچائی ایک حقیقت بن گئی ۔(دیکھو اعمال ۱۷: ۲۴تا ۲۹) جب وہ بتاتا ہے کہ " خدا ایک ہے اور خدا اور انسان کے بیچ میں درمیانی بھی ایک ہی ہے ۔ یعنی یسوع مسیح جوانسان ہے۔" (۱ تمطاؤس ۲: ۵) تو وہ ایک طرف اس جدائی کو رد کرتا ہے جو یہود اور اسلام میں سکھائی جاتی ہے۔ دوسری جانب یونانیوں بلکہ ہندوؤں کی اس تعلیم کی تردید کرتاہے جس کے مطابق خدا اور انسانوں کے بیچ بہتیرے درمیانی مانے جاتے ہیں جو انسان سے اونچے وعالی قدر ہیں۔ مسیحی بھی درمیانی مانتے ہیں مگروہ بھی انسان ہے ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سارے اہل ہنود ہمہ اوست کے معتقد ہیں کیونکہ رامانج اس کے خلاف تھا۔ اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ سارے مسلمان خدا کو گویا اس جہان سے جلاوطن مانتے ہیں کیونکہ ان میں صوفی ہیں جو اس خیال کے خلاف ہیں اور نہ میں اس امر کا دعویٰ کرتا ہوں کہ مسیحی علما ہمیشہ سچی تعلیم کے دونو پہلوؤں پر واجبی زور دیتے ہیں لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ علی العموم ہندو ایک سرے پر کھڑے ہیں اور مسلمان دوسرے پر اور مسیحی ان دونو کے بیچ میں ہیں۔

ہندوؤں کی غلطی یہ ہے کہ وہ پہلے خدا کی شخصیت کے منکر ہو کر اس کو پردہ نشین کردیتے ہیں اور پھر اس کو حاضر کرنے کے لئے درمیانی وجودوں کو پیدا کرتے ہیں جن کو دراصل نہ تو کوئی ضرورت پائی جاتی ہے اور نہ ان کی ہستی کا کوئی ثبوت ہے اہل اسلام کی خاص غلطی یہ ہے کہ وہ خدا اور دنیا کی باہمی جدائی پر اس قدر زور دیتے ہیں کہ اگرچہ ان کی نیت

اچھی بھی تصور کرلی جائے تو بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کو کھو بیٹھتے ہیں۔ ان غلطیوں سے جو غلط نتیجے صادر ہوئے ہیں ان کا ذکر اگلے مضمونوں میں کیا جائیگا۔

دوسرا باب

تجسمِ خدا

یہ مضمون پہلے مضمون سے نہایت نزدیکی تعلق رکھتا ہے ۔ جب یہ امر دریافت ہوچکا کہ فلاں ملت یا مذہب کے لوگوں کا خدا کی ذات کے بارے میں کیا عقیدہ ہے تو ازروئے منطق قبل از تحقیقات بتایا جاسکتا ہے کہ خدا کے مجسم ہونے کی نسبت غالباً وہ کیا جانتے ہونگے۔

۱۔ تجسمِ خدا کے بارہ میں ہنود کی تعلیم

اس مضمون کے ضمن میں اگر خدا سے مراد وہ اصلی وجود ہو جو برہما اور آتما کے نام سے نامزد ہوتا ہے تو ہندو لوگ خدا کے مجسم ہونے کے امکان سے قطعی انکار کرتے ہیں۔ وہ اس پر بڑا زور دیتے ہیں کہ اس کا کوئی روپ نہیں " وہ اجر" اور " امر " ہے یعنی نہ وہ پیدا ہوتا ہے اور نہ مرتا ہے۔ اس معنی میں خدا کے جسم اختیار کرنے خلاف ہر ایک ہندو کوئی نہ کوئی شلوک سنا سکتا ہے۔ ساری دنیا اس کا جسم خیال کی جاتی ہے لیکن اگر خدا سے مراد کسی دیوی سے ہو تو دیوی دیوتا کا اوتار ہونا نہایت آسان ہے جیسے کہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔ دیوتاؤں اور انسان میں کوئی ایسا بڑا فرق نہیں۔ انسان تپسیا کرکے دیو بن سکتا ہے۔ چنانچہ ہندو مذہب کی عام تعلیم یہ ہے کہ ضرورت کے وقت انسان کی مدد کے لئے دیو اوتار لے لیتے ہیں۔

اس امر کی تصدیق میں کہ انسان دیو بن جاتے ہیں یہ بات قابل تذکرہ پائی جاتی ہے کہ فی زمانہ ہندوستان میں اس کا بہت رواج پڑگیا ہے۔ کوئی چند برس کا عرصہ گذرتا ہے کہ ایک شخص اگنی ہوتری نامی لاہور میں گیا۔ برہم سماج کی ایک شاخ جو دیو دھرم سماج کہلاتی ہے قائم کی۔ چونکہ یہ بہت فصاحت سے کلام کرتا تھا اس کے پیرو اس کو فوراً دیو قرار دینے لگے۔

اسی طرح آریہ سماجی پنڈت دیانند سرسوتی مرحوم کو دیو کا رتبہ دے رہے ہیں۔

ایک اور نظیر آپ کو شاید معلوم ہوگی کہ کیشب چندر سین بھی اپنی زندگی کے آخری حصے میں دیو کی سی تعریف وعزت پانے لگے تھے۔

۲۔ تجسمِ خدا کے بارہ میں مسلمانوں کی تعلیم

اس کا بیان نہایت مختصر ہوسکتا ہے کیونکہ جو بات نیستی یا نفی میں متصور ہے اسکا ذکر کیونکر کیا جائے ؟ اسلام خدا کے مجسم ہونے کے امکان سے بالکل انکار کرتا ہے اس کے نزدیک اس قسم کا خیال کفر میں شامل ہے۔

جو عقیدہ مسلمان خدا کی ذات کے بارے میں رکھتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ خدا کبھی جسم اختیار نہ کریگا۔ جہاں کامل جدائی ہے وہاں اوتار کی گنجائش نہیں۔

۳۔ تجسمِ خدا کے بارہ میں مسیحیوں کی تعلیم

یہ بیان ہوچکا ہے کہ ہندو مذہب میں اوتاروں کی حد نہیں اور اسلام میں ایک اوتار کی بھی گنجائش نہیں۔ اس بات میں بھی مسیحی مذہب بیچ میں ہے۔ لٹو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہوآیا مگر اب بیچ میں آگیا۔

ایک طرف مسیحی مذہب اس پر زور دیتا ہے کہ خدا کا مجسم ہونا ممکنات میں سے ہے بلکہ خدا کی پہچان کے لئے جو نجات کے واسطے لازمی ہے اس کو ضروری قرار دیتا ہے۔ دوسری طرف مسیحی مذہب خدا کے جسم اختیار کرنے کو ایک ایسی انوکھی بیش بہا اور پُرفیض بات خیال کرتا ہے کہ اس کا دہرایا جانا بھی غیر ضروری اور ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ اس امر کی بابت مسیحی عقیدہ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ انسان خدا کی صورت پر پیدا کیا گیا۔ خدا کے تجسم کی

ضرورت اس بات پر مبنی ہے کہ گنہگار انسان عقل کا اندھا ہو کر اس بات کا محتاج ہے کہ خدا انسان کی صورت میں اپنے تیئں انسان پر ظاہر کرے۔ اس کے بغیر وہ نجات کو سمجھ نہیں سکتا۔ اگرچہ وہ کلام جو لغتِ انسانی میں بذریعہ حروف لکھا گیا ہدایت کے لئے نہایت مفید ہے تاہم خدا کی اس پہچان کے لئے جو نجات کے واسطے ضروری ہے لازم ہوا کہ وہ کلام جو ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا بلکہ خود خدا تھا مجسم بھی ہو۔

خدا کے جسم اختیار کرنے کی حقیقت سیدنا مسیح کی زندگی کے احوال پر مبنی ہے۔ اس کی زندگی کے بیان سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ پاکیزگی اور قدرت میں وہ خدا کی مانند تھا۔ اپنی عملی زندگی سے اپنے آپ کو سچا ثابت کرکے اس نے نہایت صفائی سے کہا کہ " میں اور باپ ایک ہیں"۔ پیشتر اس سے کہ ابرہام تھا میں ہوں۔" جس نے مجھے دیکھا ہے۔ اس نے خدا کو دیکھا۔" آسمان اور زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا۔" جب وہ کامل فرمانبرداری کی زندگی بسر کرچکا تھا اس نے اپنی جان دی۔ تیسرے دن جی اٹھا۔ چالیس دن بعد آسمان پر صعود کر گیا اور وہاں سے اس نے پاک روح کو بھیجا ہے جس کی معرفت ہر زمانہ میں وہ مسیحیوں پر اپنے تئیں مجسم خدا کی حیثیت میں ظاہر کرتا ہے۔

پس اسلام کے خلاف مسیحیت کا دعویٰ ہے کہ خدا مجسم ہوسکتا ہے اور خدائے مجسم (سیدنا مسیح) خدا اور انسان کے بیچ میں مقررہ درمیانی ہے۔

ہندو دھرم کے خلاف مسیحی مذہب کا یہ دعویٰ ہے کہ صرف ایک ہی سچا اوتار ہے جو نس کلنک ہے۔ چونکہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لئے سفارش کے لئے جیتا ہے اس لئے ہر زمانے کے لئے وہی کافی ہے۔ پس کسی دوسرے اوتار کی ضرورت نہیں اگر بالفرض دوسرے کا ہونا ممکن بھی خیال کرلیا جائے۔

تیسرا باب

گناہ

یہ مضمون بھی پہلے مضمون سے خاص علاقہ رکھتا ہے۔ جب یہ امر دریافت ہوگیا کہ خدا کیا ہے اور وہ دنیا سے کیا تعلق رکھتا ہے تو پھر گناہ کی حقیقت بھی معلوم کی جاسکتی ہے۔ اگر انسان پر پہلے مضمون کی حقیقت آشکارا ہوجائے تو گناہ کی نسبت ٹھیک اور سچی تعلیم کا جاننا آسان تر ورنہ بالکل غیر ممکن ہے۔ اگر اس میں غلطی ہو تو اس میں ضرور نقص ہوگا۔

۱۔ ہندو مذہب اور گناہ

اہل ہنود علی العموم خدا کی نسبت اسی تعلیم کے قائل ہیں جو ہمہ اوست کہلاتی ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ جس قوت سے انسان گناہ کی نسبت قائل کیا جاتا ہے وہ انسان کی ضمیر ہے۔ پس اس مضمون کو درستی سے سمجھانے کے لئے ازحد ضروری ہے کہ دریافت کیا جائے کہ ہمہ اوست اور ضمیر میں کیا رشتہ ہے۔

ضمیر کیا ہے ؟ اگر اس کی تعریف کی جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ ضمیر انسانیت کی وہ اصل وذاتی قوت ہے جس کے ذریعے سے انسان یہ معلوم کرلیتا ہے کہ میری نیت ومقصد اور ارادے بذات خاص نیک ہیں یا بد اور اس پہچان کے ساتھ ہی ہمیشہ اس امر کا کامل یقین شامل رہتا ہے کہ جو کچھ نیک ہے اس کو عمل میں لانا لازمی ہے اور جو کچھ بد ہے اس سے باز رہنا ضروری ہے۔

ہندو اہل فلسفہ دو اصول کے قائل ہیں۔ ایک دویت دوسرا ادویت اور یہ دونو ایک دوسرے کا کاٹتے ہیں۔ دویت سے مراد یہ ہے کہ خدا اور انسان یا خدا اور دنیا جدا جدا ہو کر ایک نہیں بلکہ دو الگ الگ فرد ہیں۔ برخلاف اس کے ادویت سے مراد یہ ہے کہ کہیں کوئی شے

جداگانہ نہیں۔ سب کچھ ایک ہی ہے یعنی جو دنیا ہے وہی خدا ہے جو انسان ہے وہی خدا ہے۔"اہم برہم اسمی۔"

ضمیر ادویت کی تصدیق کرتاہے۔ اول وہ اپنے آپ کو دل کے خیالات وجذبات ومعلومات وقوت مرضی کے ارادوں سے جدا کرتاہے۔ پس ایک جانب توضمیر ہے اور دوسری جانب انسان کے خیالات وارادے وخواہشیں ہیں جن کی بابت اور جن کے اوپر ضمیر حاکم ہو کر فیصلہ کرتاہے۔ دوم ضمیر ایک کامل شریعت بلکہ ایک شریعت دینے والے یعنی خدا کو پیش کرتاہے جس سے پھر دو الگ الگ فرد تک ثابت ہوتے ہیں ایک طرف خدا جس کے مقابلے میں ضمیر آپ کو پیش کرتاہے اور دوسری طرف وہ شخص جو خود صاحب ضمیر ہے اور برعکس اس کے ادویت وہ تعلیم ہے جو ہمہ اوست کی تائید کرتی ہے۔ ضمیر کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتی کیونکہ جب شریعت دینے والا اور شریعت پانے والا اور میرا آتما اور اس کا آتما میرے خیال ارادے اور خواہشیں اور اس کے خیال ، ارادے اور خواہشیں سب ایک ہی ہیں تو پھر ضمیر کی نوکری جاتی رہی اور جب ضمیر کی ضرورت جاتی رہی تو گناہ کا یقین محال ہوا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہندومذہب میں یہ دو نتیجے صریحاً آشکار ہیں۔

(۱-) یہ کہ اہل ہنود گناہ کی حقیقت نہ جان کر سوال کرتے ہیں کہ پاپ کیا ہے؟ (۲-) ان کی لغت میں ضمیر کے ہم معنی کوئی لفظ ہی نہیں پایا جاتا۔

غرض ہمہ اوست کی تعلیم کے سبب کتنے لوگ گناہ کی حقیقت سے منکر اور اس کی پہچان سے محروم رہے اور محروم رہینگے ۔ لیکن شکر کی بات ہے کہ ہندوؤں اور ادویت کا عقیدہ ہمیشہ کامیابی کے ساتھ جاری نہیں رہا۔ باوجود اس تعلیم کے جس سے ضمیر رد ہوتا ہے لوگ بھی اس اصلی قدرتی شریعت کے جو خدا نے انسان کے دل پر لکھ دی ہے۔ بہت کچھ قائل رہے ہیں اور ان کی کوشش یہی ہے کہ کوئی ایسی کسوٹی ملے جس سے ان کی زندگیوں کی جانچ ہوسکے مگر اس کے ساتھ افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمہ اوست کی تعلیم سے اہل ہند کی عقلوں پر ایسا بُرا اثر پڑا کہ اس امر میں بہت اندھیرا پایا جاتاہے۔ فلسفہ دان لوگوں نے خدا اور انسان کو ایک ہی قرار دے کر اس اعلیٰ کسوٹی کو رد کردیا۔ پس عوام نے لاچار ہو کر مجلسی یا سوشل دستورات اور دینی رسوم کو اپنے کیریکٹر کی کسوٹی قرار دے رکھاہے چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی آدمی پاپی سمجھا جاتاہے جو دستوروں کے برخلاف کرے۔

ہندومذہب کی اخلاقی تعلیم بالخصوص گیتا میں مندرج ہے اور اس میں صاف لکھاہے کہ ذات کے قوانین زندگی کی کسوٹی ہیں۔ کرشن ارجن کو سمجھاتا ہے کہ" چونکہ توکھتری ہے اس لئے تجھ پر فرض ہے کہ لڑے اور قتل کرے۔"

الغرض صاف ثابت ہوتا ہے کہ ہندومذہب میں راستی کی کوئی پائدار کسوٹی نہیں جو لوگ ہندومذہب کے بڑے پکے معتقد ہیں ان میں سے کوئی نہ کہیگا کہ چونکہ فلاں کام دراصل یا بذاتہ ٹھیک ہے اس لئے خواہ آسمان گرے تو گرے میں اسے ضرور کرونگا اور اس کے کرنے سے ہرگز باز نہ آؤنگا۔" زمانہ حال کے اصلاح کنندگاں ادویت سے منکر ہیں اور رامانج کو جو ودیت کا پیرو تھا بہت ماننے لگے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مسیحی تعلیم پاکر اور ضمیر کی آواز کو محسوس کرکے یہ واقفیت حاصل کرلی ہے کہ ضمیر کے مطابق چلنا کس کوکہتے ہیں۔

پس ہندو مذہب گناہ کی تعلیم کی نسبت قاصر ٹھہرتاہے اوریہی اس کی شکست کاسبب ہے۔ ادویت کی وجہ سے وہ انسان کی فعل مختاری سے منکر اور ضمیر سے مستغنی ہوا اوراس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گناہ گناہ ہی نہ رہا۔

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ گناہ کی نسبت جو نتیجہ ہمہ اوست کی تعلیم سے نکلتاہے وہی ان لوگوں کی تعلیم سے نکلتاہے جوخدا کے منکر ہو کر محض مادے کے قائل ہیں۔ ایک ایک طرح اور دوسرا دوسری طرح فعل مختاری سے انکار کرتاہے جب فعل مختاری جاتی رہی تو پھر گناہ کا کیا ذکر؟

۲۔ اسلام اور گناہ

اسلام گناہ کو ایک حقیقت تسلیم کرتاہے۔ مسلمانوں کو اس کا یقین ہے کہ گناہ ضرور ایک شے ہے۔ وہ اپنی کتابوں اور نمازوں میں اس یقین کا اقرار کرتے ہیں۔ ان کو بخوبی معلوم ہے کہ خدا کی مرضی انسان کے لئے زندگی کا قانون ہے اوراس کے خلاف چلنا گناہ ہے یہاں تک کہ اسلام کا بیان بہت درست ہے اور وہ بیان اس تعلیم سے مطابقت رکھتاہے۔ جوخدا کی ذات کے بارے میں ان میں مانی جاتی ہے یعنی یہ کہ خدا ایک من مولا شہنشاہ کی مانند ہے جو انسان اور دنیا سے بالکل جدا اور دور ہے۔اس نے اپنی رعایا کے لئے چند قوانین مقرر کردئیے ہیں جن کے خلاف چلنا گناہ قرار دیا جاتاہے۔ اس تعلیم میں یہ نقص ہے کہ اس میں مطلق یہ علم نہیں کہ خدا کی شریعت اس کی پاک ذات کا عکس ہے۔ ان کا خیال خدا کے بارے میں ایسا معلوم ہوتاہے کہ وہ کوئی زبردست اور من مولا شہنشاہ ہے جو ایسے قوانین جاری فرماتاہے کہ جو اسے حسب موقع مناسب معلوم ہوں اور باقی قوانین جو اس کے دل میں ہوں انہیں مقرر اور ظاہر نہ کرے۔ اسی طرح خدا نے رعایت کرکے یا انسان پر مہربان ہو کر ایسے قوانین مقرر کئے ہیں جو حسب موقع اور انسان کے مناسب حال اور اس کی حسب گنجائش ہوں۔ اس میں امر کی پہچان وپختگی نہیں ہے کہ ہر ایک بدخیال۔ بدخواہش اور بداعمال کی برائی اس میں ہوتی ہے کہ وہ خدا کی پاک ذات کے خلاف ہے۔ اہل اسلام یہ نہیں جانتے کہ ہر ایک کام صرف اسی سبب سے بد تصور نہیں کیا جاتاہے کہ خدا نے اس کے خلاف قانون ٹھہرایا ہے بلکہ اس سبب سے کہ وہ اس کی پاک ذات کے خلاف ہے۔ اس ناکمل امتیاز یا شناخت کا سبب یہ ہے کہ اسلام کے مطابق خدا انسان سے دور اور بالکل جدا سمجھا جاتاہے اس لئے مالک کی پاک ذات اوجھل ہوجاتی ہے اور صرف قانون ہی قانون کا لحاظ کیا جاتاہے۔

اس ناکمل اصول سے ذیل کی غلط تعلیمات نکلتی ہیں۔

(۱۔) چونکہ انسان کمزور ہے اس لئے جب اس کے لئے کوئی شریعت بنائی گئی تو اس کمزوری کا لحاظ کرکے وہ شریعت ذرا ہلکی کردی جاتی ہے کیونکہ خدا رحیم ہے اور رعایت کرتاہے۔ ایک کہاوت مشہور ہے کہ جس برے کے بال کترے گئے اس پر خدا سرد ہوا نہیں لگنے دیتا۔ اسی طرح اسلام کا خدا انسان کی کمزوری کا خیال کرکے شریعت کو موقع بہ موقع حسب ضرورت تبدیل کرتا رہتاہے۔مگر اس عقیدے میں اس بات کا خیال کیا جاتاہے کہ فی الحقیقت خدا کی شریعت میں تبدیلی کا امکان نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اس کی پاک ذات کا اظہار ہے۔

(۲۔) گناہ کبیرہ وصغیرہ یعنی بڑے اور چھوٹے ہوتے ہیں۔ جس مذہب میں گناہ کی پہچان کی کسوٹی خدا کی پاک ذات مانی جاتی ہے۔ اس میں گناہوں کی اس قسم کی تقسیم نا ممکن ہے۔ مگر یہ تقسیم اسلام کے عین موافق ہے کیونکہ اس میں خدا کی نسبت بھی ویسی ہی تعلیم پائی جاتی ہے۔ اگر کوئی فعل یا خیال محض اس سبب سے گناہ تصور کیا جاتاہے کہ خدا نے اپنی مرضی قادر سے اسے ایسا ٹھہرادیا ہے تو نہایت اغلب ہے کہ اس نے بعض کو کبیرہ اور بعض کو صغیرہ قرار دیا ہوگا۔

پس اسلام کی تعلیم گناہ کی نسبت گوچندوجوہ سے بظاہر اچھی بھی معلوم ہوتا ہم مکمل وخاطر شواہ نہیں کیونکہ اس کی بنیاد یا اصل درست نہیں۔

مسیحیت اور گناہ

گناہ کی نسبت جو تعلیم توریت میں پائی جاتی ہے اسی پر قدر قلیل اس امر میں اسلام بھی مبنی ہے۔ اس میں اکثر ایسی ہدایتیں ہیں جن کی نسبت ظاہراً یہ گمان ہوسکتاہے کہ خدا نے کسی خود مختار بادشاہ کی طرح شریعت ٹھہرادی ہے جس کے خلاف چلنا محض اس سبب سے گناہ ہے کہ خدا نے ایسا ہی ٹھہرادیا ہے۔ تاہم توریت ہی میں ایک بھاری اصول پایا جاتاہے جس کو اسلام نے فراموش کردیا اور وہ یہ ہے کہ انسان خدا کی صورت پر پیدا کیا گیا۔

اس سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ نہ صرف خدا کے ظاہری احکام بلکہ حقیقت میں اس کی پاک ذات انسان کے لئے کسوٹی ہے اور جو کچھ اس کی پاک ذات کے خلاف ہے سو گناہ ہے۔ اس اصول کے باب میں زبور اور صحف انبیاء میں بہت کچھ تعلیم پائی جاتی ہے۔ لیکن اس امر کی نسبت مسیحی مذہب کی کامل تعلیم بالخصوص سیدنا مسیح نے دی۔ اس نے بار بار یہ بتایا کہ انسان کی خصلت کی کسوٹی خدا ہے۔ مثلاً اس نے فرمایا۔" تم کامل ہو جیسا تمہارا آسمانی باپ کامل ہے۔" پس مسیحیوں کے نزدیک گناہ نہ صرف شریعت کی بلکہ شریعت دینے والے کی پاک ذات کی مخالفت ہے۔ ہاں مسیحی مذہب میں انسان گناہ کرنے سے اپنے اصلی مقصد کو کھو بیٹھتا ہے۔ جب انسان خدا کی پاک ذات کے برخلاف کام کرتا ہے تو وہ فی الحقیقت اپنے تیئں اپنے ذاتی درجہ مقصود سے محروم کرتا ہے۔

پس یہاں بھی مسیحی تعلیم درمیانی راہ پر ہے۔ ہندو مذہب خدا اور انسان کو اس قدر ملا دیتا ہے کہ خدا ہی سب کچھ کرنے والا قرار دیا جاتا ہے اور گناہ کے لئے کوئی جگہ نہیں رہتی کیونکہ بغیر فعل مختاری گناہ کیونکر گناہ تصور ہوسکتا ہے مسیحی مذہب اس ادویت تعلیم سے انکاری تو ہے مگر اس کے ساتھ ہی وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ خدا اور انسان میں آپس کا رشتہ نہایت نزدیکی ہے یہاں تک کہ خدا کی ذات انسان کے لئے درجہ مقصود ہے۔

اسلام اس امر میں قابل تعریف ہے کہ وہ خدا کو انسان پر بالکل ترجیح دیتا ہے ۔ مگر وہ اس کو قدر دور کر دیتا ہے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسلام کی شریعت اور خدا کی پاک ذات میں کوئی حقیقی تعلق ہے۔ مسیحی مذہب اس بات پر زور دیتا ہے کہ خدا سب چیزوں پر قادر ہے مگر اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ خدا کی شریعت اس کی پاک ذات کا عکس ہے اور جو کچھ اس کی پاک ذات کے خلاف ہے وہ گناہ ہے۔

یہ امر غور طلب ہے کہ جب تک سیدنا مسیح دنیا میں نہ آیا گناہ کی اس قسم کی پہچان کہیں بھی موجود نہ تھی ۔ سچ ہے کہ جب تک انسان خدا کی پاکیزگی کا ایسا نمونہ نہ پاتا جیسا کہ سیدنا مسیح نے دکھایا تب تک کیونکر ممکن تھا کہ وہ واجبی طور پر خدا کی پاکیزگی اور جو اس سے نتیجے صادر ہوتے ہیں ۔ یعنی گناہ کی حقیقی آلودگی اور تقصیر داری کو پہچانتا ؟ خدا کی پاکیزگی ایک آئینہ ہے جس میں انسان اپنی صورت وشکل کو دریافت کرسکتا ہے یسعیاہ نبی کے تجربے واحوال پر غور کیجئے ۔(یسعیاہ ۶: ۵)۔ پھر کبھی اس نے کامل پہچان حاصل نہ کی۔ سیدنا مسیح مجسم پاکیزگی کا خدا ہے ۔ وہ آئینہ نزدیک بلکہ نیچے اتر آیا۔" جس نے مجھے دیکھا باپ کو دیکھا ہے"(یوحنا ۱۴: ۹)۔

پس مسیحی مذہب میں گناہ کی کامل پہچان ہے کیونکہ اس کے بانی کے وسیلے سے انسان اپنی گنہگاری کی حالت سے واقفیت حاصل کرسکتا ہے۔

چوتھا باب

طریق نجات

یہ مضمون پیشتر کے تینوں مضامین کے عین سلسلے میں آتا ہے کیونکہ جس قدر گناہ بھاری یا ہلکا سمجھا جائے اسی قدر نجات کے طریقے مشکل یا آسان ہونگے ۔ جیسے کام ویسے ہی وسائل ہونگے۔ ایک اور لحاظ سے یہ مضمون پہلے مضمون سے بھی بہت نزدیکی تعلق رکھتا ہے اگر بغور دیکھئے تو سلسلہ یوں ہے : جس مذہب میں جیسی خدا کی نسبت تعلیم ویسے ہی گناہ کے بارے میں خیالات اور جیسے گناہ کی بابت خیالات ویسے ہی وسائل نجات۔

۱ ۔ ہندو مذہب اور نجات

ہندوؤں کی کتابوں میں موکش کی بابت مختلف بیان پائے جاتے ہیں۔ رگ وید کے زمانے سے لے کر زمانہ حال تک اس قدر متفرق بیانات ہوئے ہیں کہ بے ساختہ زبان پر آتا ہے " جتنے منہ اتنی باتیں۔"

رگ وید کے زمانے میں لوگ یگ کرتے تھے اور جس قدر کرم کانڈ مقرر تھے ان پر عمل کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مرتے وقت ہم سیدھے پتروں یعنی باپ دادوں کے لوک کو چلے جاتے ہیں۔ یم جواب موت کا دیو قرار دیا جاتا ہے از روئے رگ وید پہلا آدمی تھا۔ اور وہی مردوں کو پتروں کے لوک کی راہ بتانے والا سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت آواگون کی تعلیم کا مطلق چرچا نہ تھا۔

بعد ازاں آہستہ آہستہ کسی نہ کسی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر ایک قسم کی مایوسی اور نا امیدی چھا گئی (بہتوں کا گمان ہے کہ یہ آب وہوا کے اثر سے تھا)۔ پھر ایک نیا خیال پیدا ہوا کہ دنیا میں پیدا ہونا لعنت کا باعث ہے اور اسی کے ساتھ آواگون کی تعلیم نے زور پکڑا۔ اور موکش پانا جنم مرن کے سنسار سے چھٹکارا پانا تصور ہونے لگا اور آج تک موکش کی مراد یہی سمجھی جاتی ہے۔

ہندوؤں میں موکش حاصل کرنے کے تین طریقے ہیں (الف) کرم مارگ (ب) گیان مارگ (ج) بھگتی مارگ۔ اس آخری طریقے کا ذکر پرانی کتابوں میں نہیں۔ (الف) کرم مارگ وہ طریقہ ہے جس سے مذہبی ریت رسوم پر عمل کرنا مراد ہے۔ مثلاً ایک کرنا، دان دینا وغیرہ وغیرہ۔ یہ طریقہ کامل نہیں ہے۔ اس کے وسیلے سے انسان بہتر جنم حاصل کرسکتا ہے۔ مگر سنسار سے نہیں چھوٹ سکتا۔ (ب) گیان مارگ وہ طریقہ ہے جس کے مطابق انسان معلوم کرسکتا ہے کہ وہ خود برہم ہے اور یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے " سوا ہم " اہم برہم اسمی " ۔ تت توم اسی " یوں وہ سب کرموں اور خواہشوں سے آزاد ہو کر سنسار سے رہائی پاتا ہے۔ اور اس دنیا میں اس کو پھر واپس آنا نہیں پڑتا بلکہ وہ برہم ہی میں لین یا غرق ہوجاتا ہے۔ دھیان اور یوگ سے انسان اس درجے تک پہنچ سکتا ہے۔

(ج) بھگتی مارگ کا ذکر گیتا اوراس کے بعد کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے مطابق انسان جب کسی خاص اوتار بالخصوص کرشن کو اپنا وسیلہ ٹھہرالیتا ہے اوراسی پر اپنے سارے دل سے اپنے آپ کو قربان کردیتا ہے تووہ موکش کو حاصل کرتا ہے۔

ان کے متعلق تین باتیں قابل غور ہیں:۔

(۱۔) کرم مارگ اور گیان مارگ کے مطابق انسان آپ اپنے لئے نجات کماتاہے۔ یہ ہندومذہب کی خصوصیت ہے۔ کرم کی تعلیم علی العموم بہت کثرت سے رائج ہے۔

(۲۔) بھگتی مارگ کا ذکر بڑے بڑے اوپنشدوں میں نہیں پایا جاتا۔ ان میں صرف گیان مارگ ہی کا بیان ہے۔

(۳۔) چونکہ اس کا ذکر گیتا ہے اور گیتا بہت پیچھے تصنیف ہوئی اس لئے گمان غالب ہے کہ بھگتی مارگ کا خیال ہندو مذہب میں باہر سے آیا ہوگا۔ چنانچہ ویبر صاحب کی رائے ہے کہ گیتا کا مصنف ضرور کم وبیش مسیحی مذہب سے واقف تھا۔

اس میں تو ذرا کلام نہیں ہوسکتا کہ بھگتی مارگ اور مسیحی مذہب میں ایک عجیب مشابہت نظر آتی ہے۔ اس مارگ میں ادویت نہیں بلکہ دویت مانا جاتا ہے۔ کیونکہ جو اشٹا دیوتا بھگت کا محبوب ومرغوب ہے شخصیت رکھتاہے۔

۲۔ اسلام اور نجات

مسلمانوں کے نزدیک نجات سے مراد جہنم سے چھوٹنا اور بہشت کی خوشیوں میں شریک ہونا ہے۔ اس کے حاصل کرنے کی ضروری شرط کلمہ پڑھنا ہے یعنی اس کے پڑھنے سے آدمی اسلام کو قبول کرتاہے۔ اس کے ساتھ چار باتیں یعنی نماز، زکواۃ، روزہ اورحج مقرر ہیں ان پر عمل کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل اسلام کا ایمان درست ہے۔ یہ چاروں باتیں نجات کے متعلق ہیں۔ لیکن خاص وسیلہ کلمہ ہے جو شخص کلمہ پڑھا کر گناہ کرے وہ جب تک اپنے گناہوں کی سزا نہ بھوگے اسے جہنم کی آگ میں رہنا پڑیگا۔ ہر ایک مسلمان کو اپنے گناہوں کا

بدلہ آپ ہی دینا پڑتا ہے اوراس بدلہ دینے کے طریقے ہیں۔(۱۔) اس زندگی میں نیکی کرنا(۲) جہنم کی آگ برداشت کرنا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ازروئے اسلام جہنم ابدی سزا کی جگہ نہیں بلکہ بدلہ دینے اور سدھارے جانے کا مقام ہے جو شخص کلمہ پڑھے اس کے لئے نجات مقرر ہے۔ صرف اس میں شک باقی رہتا ہے کہ کتنی مدت اسے جہنم میں بالکل نہ جانا پڑیگا بلکہ سیدھا جنت میں داخل ہوگا۔اگروہ بدیاں زیادہ اور نیکیاں تھوڑی کرے تو کچھ مدت کے لئے جہنم میں ڈالا جائیگا۔ جو نتیجہ موت کے بعد جہنم کی سزا کاٹنے سے ہوتا ہے وہی اس زندگی میں نیک کاموں سے انجام پاتا ہے۔ پس اسلام میں نیک کاموں پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ پھر ساتھ ہی اس کے ایمان پر بھی زور ہے۔ بیان ہوچکا ہے کہ نجات صرف کلمے کے پڑھنے پر موقوف ہے جو شخص کلمہ پڑھتا ہے اپنا ایمان ظاہر کرتا ہے کہ خدا ایک ہے اور محمد اس کا رسول ہے۔ اس ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے تئیں خدا کی مرضی کے ماتحت کردیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے ایمان کی تعلیم مسیحیوں سے حاصل کی ہے۔ مسیحی ایمان میں اسلام کی جڑ نظر آتی ہے ۔ مسیحی ایمان اوراسلام میں صرف وہی فرق ہے جو خدا کی بابت مختلف تعلیمات کے اختلاف سے از خود ظاہر ہوتا ہے۔ ایک طرف ایک زبردست من موجی سلطان نے اپنی مرضی کے موافق ایمان کی ایک کسوٹی مقرر کی ہے اورجو کوئی ظاہری طورپر قبول کرے۔ بس یہ اس کے لئے کافی ہے یہ کسوٹی خدا کی وحدانیت اور آنحضرت کی رسالت کو ظاہری طور پر قبول کرنا ہے۔(دیکھو نبوکد نضر اور تین جوانوں کا احوال) دوسری طرف ایک پیارا آسمانی باپ ہے جو اپنی مرضی بیٹے کے وسیلے سے ظاہر کرتا ہے اور جو اس سے لپٹا رہے اور اسے اپنا شخصی نجات دہندہ جانے وہ اس کے لئے کافی ہے۔

چونکہ اسلام کو یہ علم نہیں کہ خدا ہمارا باپ ہے اور ہمیں اس کی مانند بننا چاہئیے۔ اور نہ اس میں اس بات کی پہچان ہے کہ گناہ اس کی ذات اور پاکیزگی کی مخالفت ہے اس لئے اسلام میں کفارے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور نہ اس بات کی کوشش کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم کامل بنیں جیسا کہ وہ کامل ہے۔ برعکس اس کے صرف یہ کافی سمجھا جاتا ہے کہ کلمہ کا علانیہ اقرار کیا جائے ۔ جو یہ اقرار کرتا ہے خدا اس کے لئے اپنے احکام ہلکے کردیتا ہے کیونکہ وہ رعایت ولحاظ کرنے والا ہے۔ علاوہ کے بہشت میں ان کی جسمانی خواہشوں کے پورا کرنے کے لئے سامان مہیا رہتا ہے۔

۳۔ مسیحیت اور نجات

مسیحیوں کے نزدیک نجات کی تشریح یوں ہے۔ نجات رہائی پانا ہے(۱۔) گناہ کی سزا یعنی جہنم کے عذاب سے۔(۲) گناہ کرنے کی خواہش سے یعنی طبعیت کا میلان ورجوع ایسا تبدیل ہوجاتا ہے کہ اس کے سبب سے گناہ کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔(۳۔) اس زندگی کی ساری کمیوں سے تاکہ خدا کے حضور اس کی ذاتی شراکت کی خوشی حاصل ہو جیسا لکھا ہے کہ "تاکہ ہم ذات الہیٰ میں شریک ہوں۔"(۲۔پطرس ۱ : ۳تا۴)۔

رہائی پانے کی شرط یہ ہے کہ انسان سیدنا مسیح پر دل سے ایمان لائے۔ مسیحیوں کا کلمہ جسے اسلام نے نقل کرلیا یوں ہے " ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ کو خدائے واحد اور برحق اور یسوع کو جسے تونے بھیجا ہے جانیں" (یوحنا ۱۷ : ۴)

گناہ وہ خواہش یا ارادہ یا فعل ہے جو خدا کی پاک ذات کے خلاف عمل میں آتا ہے یا اس سے مشابہت نہیں رکھتا۔ پس گناہ سے خدا کی راستی کی مخالفت ہوتی ہے۔ چونکہ خدا عادل ہے اس لئے اس کا منصف ہونا نہ صرف گنہگار کی سزا کا تقاضا کرتا ہے بلکہ نجات کے معاملے میں اس مشکل کو بھی حل کرتا ہے کیونکہ گناہ کی سزا بھی ہوجائے اور گنہگار بھی بچ جائے۔ صرف مسیحی مذہب ایک ایسا خاطر خواہ اور معقول طریقہ بتاتا ہے جس سے یہ مشکل حل ہوجاتی ہے۔ مسیحی لوگ چار اصول بدیہی قرار دیتے ہیں۔

۱-خدا کی قدوسی یا پاکیزگی گناہ کے خلاف قہر ہوجاتی ہے اور گنہگار کی واجبی اور پوری سزا طلب کرتی ہے۔

۲- خدا کا خاصہ محبت ہے اور یہ محبت اس امر کی آرزومند ہے کہ انسان کی نجات ہو اوراس لئے وہ اس کے واسطے کوئی نہ کوئی طریقہ بالضرور نکالیگا۔

۳- ممکن نہیں کہ کوئی انسان اپنے گناہوں کی پوری اور واجبی سزا بھگتے اور پھر بھی بچ جائے۔

۴- لازم ہے کہ جو انسان کے گناہوں کی سزا اٹھائے وہ خود بھی انسان ہی ہو۔

یہ چاروں باتیں مسیحی مذہب میں یوں پوری ہوتی ہیں کہ خدا اپنے بیٹے میں ہو کر دنیا میں آیا اور حقیقی اور کامل طور پر انسانیت کو اختیار کیا۔ سیدنا مسیح نے (یعنی جب خدا انسان ہوا) اپنی زندگی میں شریعت کی وہ کامل فرمانبرداری کر دکھائی جو انسان کے لئے مقرر ہوئی تھی۔ وہ اگرچہ گناہ سے مبرا ومنزہ رہا تاہم اس نے ذلت اور رسوائی کی موت سہی اور یوں کل باقی آدم زاد کی خاطر وہ سزا اٹھائی جس کا خدا کی راستی وقدوسی تقاضا کرتی تھی۔ پس اس طرح خدا نے گناہ کی نسبت اپنی طبیعت ورائے ظاہر کی۔اپنے عادل ہونے کی صفات قائم رکھیں اور ساتھ ہی اپنی رحمت کا دروازہ کھول دیا جس سے گذر کر گنہگار اپنے گناہوں سے بچ سکتا ہے جس کا ذکر پولوس رسول نے رومیوں ۳: ۲۴ تا ۲۶ میں کیا ہے۔

اس طریقے میں خدا انسان پر جبر نہیں کرتا بلکہ اس کی فعل مختاری کو قائم رکھتا ہے۔ گناہ کا چھوڑنا انسان کی قوت مرضی سے ہے۔ پس گناہ میں انسان اپنی مرضی کا اظہار کرتا ہے۔ انسان اس وقت نجات پاتا ہے جب اس کی قوت مرضی تبدیل ہوجاتی ہے اور وہ بغاوت کرنا چھوڑدیتا ہے۔ خدا انسان کی قوتِ مرضی کو توڑتا نہیں بلکہ اسے راضی کرتا ہے کہ مخالفت سے باز نہ آئے۔ سیدنا مسیح کے وسیلے سے خداوند انسان کو دکھاتا ہے (۱) کہ اس کو کیسا بننا چاہیے؟ (۲) کہ وہ گناہ کو کیسا سمجھتا ہے (۳) کہ گناہ کو دور کرنے اور مٹانے کے لئے اس نے کیسا دکھ اور تکلیف سہی کہ اس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو دریغ نہ کیا۔ انسان ان باتوں کو دیکھ کر قائل ہوجاتا اور اپنی مرضی چھوڑ کر اپنے لئے خدا کی مرضی پسند واختیار کرتا ہے۔

پس مسیحی مذہب کی خوبیاں حسب ذیل ظاہر ہیں۔

۱- وہ روح کی پیاس کو جو برہم میں لین یا غرق ہونے سے بجھتی ہے کامل طور سے بجھاتا ہے اور پھر بھی انسان کی شخصیت کو قائم رکھتا ہے۔

۲- وہ گناہ کی حقیقت کو کماحقہ پہچانتا ہے اور یہ جان کر کہ اس کو دور کرنا اور اس سے بچنا کس قدر مشکل کام ہے اس کے لئے ایک خاطر خواہ ومعقول طریقہ پیش کرتا ہے۔

پانچواں باب

الہام

دیگر مضامین کے علاوہ یہ بھی ایک ضروری مضمون معلوم ہوتا ہے۔ نہایت واجب ہے کہ ہم دریافت کریں کہ خدا اپنی مرضی انسان پر کس طرح ظاہر کرتا ہے۔

۱-ہندومذہب اور الہام

الہام کی بابت ہندومذہب کی خاص تعلیم یہ ہے کہ رشیوں نے اصلی وجود کی مرضی رویا کے طور پر دریافت کی۔ چونکہ ان میں اس کی قدرت ایک خاص طور پر سمائی ہوئی تھی اس لئے انہوں نے گویا اپنے اندر اسکی باتیں پائیں۔ (رگ وید ۱۰: ۱۲۹: ۴)۔ یعنی اصل وجود کی مرضی ابتدا میں دل میں پیدا ہوئی۔

ان رشیوں نے اپنا علم اپنے چیلوں کو سکھایا یا چیلوں کے سلسلے کے ذریعے سے وید وغیرہ آج تک پہنچے ہیں۔ اس امر کی کچھ ضرورت نہیں سمجھی جاتی کہ ان کے بیانات قلمبند ہوں اور جو کچھ قلمبند ہوا اس کی پائداری کتابوں پر موقوف نہیں بلکہ پائداری اس میں سمجھی

جاتی ہے کہ جس طرح گرو اس کو دیکھتا ہے اسی طرح اس کا چیلہ بھی دیکھ کر اسے دوسرے چیلے کو سپرد کرتا ہے۔ اسی قسم کے الہام کا صاف بیان مانڈو کیا اوپنشد ۱: ۲، ۱ میں درج ہے۔

یہ تعلیم الہام کی بعینہ اسی تعلیم سے مطابقت رکھتی ہے جو اہل ہنود میں خدا کی ذات کی بابت رائج ہے۔ الہیٰ روح اور انسانی روح ایک ہی ہے اور جن میں الہیٰ روح زیادہ سمائی ہوئی ہے وہ اس اصلی روحانی وجود کی گویا دل کی باتیں معلوم کرلیتے ہیں۔

الہام کا ایک اور بیان ہے جس میں بجائے دیکھنے کے دم پھونکنے کی مثال استعمال ہوئی ہے۔ (اوپنشد ۲: ۴، ۱۰ امیترانا اوپنشد ۶: ۳۰ کو بھی دیکھو) اس میں لکھا ہے کہ مہا بھوت نے رگ وید، یجر وید، سام وید، اتھرون وید، انگرس کے شلوک (یعنی اتھرون وید) اتہاس، پوران، ودیا، اوپنشد، شلوک، سوترا نو واکھیا اور واکھیا اپنے اندر سے پھونکے۔

اوپر کے ہر دو بیانوں میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے لیکن بغور دیکھا جائے تو کوئی اختلاف نہیں۔ پہلے بیان میں اس رشتے کا ذکر ہے جو الہامی کتابوں اور رشیوں میں ہے۔ دوسرے میں وہ رشتہ بتایا جاتا ہے جو اصلی وجود یعنی مہا بھوت اور الہامی کتابوں میں ہے۔ جو کچھ مہا بھوت نے پھونکا وہی ہے جسے رشیوں نے اپنے دلوں میں دیکھا، غرض ہندوؤں کے نزدیک ان کی کتابیں کامل طور پر الہامی ہیں۔

۲۔ اسلام اور الہام

مسلمان علماء دو قسم کے الہام کا بیان کرتے ہیں (الف) وحی ظاہر (ب) وحی باطن۔ قرآن کی باتیں وحی ظاہر میں شامل ہیں۔ اس الہام کا دوسرا نام وحی قرآن یا وحی متلو ہے۔ ان ہر دو قسم کے الہاموں میں وہی فرق ہے جو انگریزی کے الفاظ ریوی لیشن (مکاشفات) اور انسپریشن (تحریک دلی) کے مطلب میں ہے۔ قرآن کی باتیں جبرائیل فرشتے نے آنحضرت کو سنا کر بتائیں وہ باتیں نئی نہ تھیں بلکہ وہ ازل سے پتھر کی تختیوں پر لکھی ہوئی موجود تھیں۔ یہ تختیاں خدا کے تخت کے نیچے رکھی تھیں اور ان کے وقت میں وہ پہلے آسمان تک نیچے اتاری گئیں۔ تب جبرائیل نے وقتاً فوقتاً ایک تختی کا مضمون سنا دیا۔

وحی باطن وہ الہام ہے جس کے ذریعہ آنحضرت نے وہ ہدایتیں کیں جو حدیث کی کتابوں میں مندرج ہیں۔

اس تعلیم کے مفصل بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تاہم اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اس قسم کا الہام اسلام کے خدا کے لائق ہے۔ آسمان کے زبردست من مولا نواب یا سلطان نے اپنے وزیر اعظم کی معرفت اپنے احکام اپنی رعایا کے پاس پہنچادئے ہیں۔ اس الہام کے رو سے جس انسان کے ذریعے سے قرآن نازل کیا گیا اس کی لیاقتوں اور طاقتوں کی عدم موجودگی متصور ہے۔ انسان محض ایک آلہ ہو گیا جو کل کے طور پر خدا سے چلایا جاتا ہے۔

۳۔ مسیحیت اور الہام

بائبل میں الہام کی کوئی خاص تشریح نہیں پائی جاتی تاہم وہ ہمیشہ خدا کی طرف سے ہے جیسے ۲۔ تمطاؤس ۳: ۶ میں لکھا ہے " سارے نوشتے خدا کے الہام سے ہیں اور تعلیم اور اصلاح اور راستبازی میں تربیت کرنے کے لئے فائدہ مند بھی ہیں۔" توریت اور صحائف انبیاء میں بعض مقاموں پر کسی قدر اس الہام کا اشارہ ملتا ہے جس کو اہل اسلام وحی ظاہر کہتے ہیں باقی پرانی عہد نامے اور سارے نئے عہد نامے میں وحی باطن مانی جاتی ہے۔

وحی باطن سے مراد یہ ہے کہ خدا اپنی روح کے وسیلے سے چیدہ لوگوں کی روح کو منور کرکے اپنی مرضی ان پر ظاہر کرتا ہے۔ جب نبی یا رسول کو اس کی مرضی معلوم ہوگئی تو وہ آزاد المرضی ہوتا ہے۔ اور الفاظ مثالیں اور نظیریں انتخاب کرنے میں وہ اپنے علم، حالت اور حیثیت کے دائرہ میں ہو کر عمل کرتا ہے۔ مثلاً یسعیاہ نبی بادشاہی محل سے مانوس تھا۔ عاموس گڈریا تھا۔ داؤد شاعر تھا۔ پولوس بڑا عالم فلسفہ دان تھا۔ پطرس حاضر جواب اور پُرہمت شخص تھا وغیرہ۔ جو کتابیں انہوں نے الہام کی مدد سے تصنیف کیں ان میں ان کی جدا جدا خصوصیات صاف

عیاں ہیں تاہم خدا کی روح نے ان کو غلطیوں سے محفوظ رکھا اور جو کچھ اس نے چاہا انسان کی ہدایت کے لئے لکھا جائے سو ان کی تصنیفات میں بے کم و کاست موجود ہے۔

یہاں بھی لٹکن بیچ میں ٹھہرا ہوا نظر آتا ہے۔ بائبل کا خدا دنیا پر قادر ہے لیکن وہ اس میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ خارجی یا بیرونی طور پر فرشتوں کے ذریعے سے وہ اپنی مرضی کا اظہار نہیں کرتا بلکہ انسان کے اندر آکر اس کے ذریعے سے وہ اپنی مرضی آشکارا کرتا ہے۔ مگر سب سے پُرتاثیر الہام اس وقت ہوا جب وہ خود سیدنا مسیح میں مجسم ہوا جیسا کہ جناب مسیح نے فرمایا کہ " جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا" (یوحنا ۱۴: ۹) پھر بائبل کا خدا اگرچہ دنیا میں ہے لیکن اس سے جدا بھی ہے ۔چنانچہ انسان خود خدا نہیں اور اپنے اندر خدا کی مرضی کا ظہور نہیں پاسکتا جب تک کہ خدا خارجی یا بیرونی طور پر اس کے اندر آکر اس پر خاص تاثیر نہ کرے۔

اس مقام پر اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا ہندوؤں کے دھرم شاستر اور مسلمانوں کے قرآن اور مسیحیوں کی بائبل سب کے سب ان معنوں میں الہامی ہیں جن کے مطابق ہر مذہب میں دعویٰ کیا جاتا ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال اس مضمون سے الگ ہے اور اس کی تحقیق کرنا اس مضمون کا موضوع نہیں۔ صرف اتنا کہنا مناسب و کافی ہوگا کہ اگر خدا۔ گناہ اور طریقہ نجات کی بابت کسی مذہب کی تعلیمات حق اور سچی ہوں تو اس مذہب کا الہام بھی درست وقابل اعتبار ہوگا خواہ اس کی تصحیح واجبی طور پر ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ چونکہ بائبل میں خدا ، گناہ اور نجات کے طریقے کی نسبت ایسی تعلیم پائی جاتی ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کی زیادتیوں اور مبالغوں سے پاک ہے اس لئے اس کا الہام خواہ مخواہ درست وخاطر خواہ سمجھنا پڑیگا۔